سرمایہ کاری کی معاشی حقیقت

اور

اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے معاوضہ کی وجہ جواز

از جناب سید معین الدین صاحب قادری استاذ معاشیات جامعۂ عثمانیہ

(۲)

جس نظامِ معیشت میں ذہن کی تعمیر ہی انفاق جیسی انسانیت نواز نیکی پر اتنی وسعت و عمومیت کے ساتھ ہوگی اس معاشرے کے افراد کی نظر جس شعبۂ معیشت پر بھی پڑے گی وہ انہی صدقات و خیرات کے زاویوں سے پڑے گی اور ان کی نگاہیں اپنی ہر چیز میں فضل کو ڈھونڈتی رہیں گی تاکہ وہ حسبِ مقدور اس پر اظہارِ تشکر میں شب و روز مصروف رہیں، اگر اسباب و علل کا سلسلہ عمرانی زندگی میں اصولی اہمیت کا حاصل ہے تو ہر فرد کا معاشی زندگی میں فضل کی تلاش میں مصروف رہنا اور خدا کے اس احسان کے بدلے دوسروں پر احسان کے لئے ہمیشہ آمادہ رہنا ایسے معاشرہ میں عسری زندگی کی تنگیوں کو افراد کے لئے زیادہ عرصہ تک آزمائش کا سبب بنائے نہیں رکھتا بلکہ ان کی زندگیوں کو بہت جلد "عسری معیشت" سے "یسری معیشت" میں منتقل کر دیتا ہے، فراخی و تنگی گویا نظامِ حق و نظامِ باطل کی دو علامتیں ہیں، خدا کا فضل ہی باطل کی آزمائشوں سے انسان کو نکال سکتا ہے کیوں کہ فضل ہی تنگی اور فقر و فاقہ کی ضد ہے:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ۲۵:

اس اعتبار سے فضل کو محنت و مشقت اور تلاش و جستجو کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا عین عبادت ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کے ذرائع اور اسباب تلاش کرنے کے مرادف ہے کیونکہ انفاق عیال اللہ

کی خدمت کا بہترین ذریعہ ہے اور یہی رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ایک اچھا وسیلہ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۹۲:۳۵

جس نظامِ معیشت میں انفاق کو ایمان کے ارکین میں جگہ دی گئی ہو، جس معاشرہ کے ہر فرد کی آمدنی میں دوسروں کے لئے کچھ نہ کچھ حصہ روا مار کھ دیا گیا ہو اور جس نظامِ زندگی کے ارکین کے دماغ کی تہذیب، ذہن کی تعمیر اور مزاج کی ترکیب ہی فضل و انفاق کے عناصر سے پائی گئی ہو اس نظام میں فضل کی کوئی بھی صورت ربٰوا کی ہم شبیہ نہیں ہوسکتی اور نہ اپنی ماہیت وحقیقت میں ربٰوا کے مثل ہوسکتی ہے۔

معاشی زندگی کے مختلف شعبوں میں فاضل آمدنی کی معاشی ماہیت وحقیقت کی مختصر توضیح کے بعد اب صرف اس قدر بحث باقی رہ جاتی ہے کہ ربٰوا اور ربح میں فرق و امتیاز پیدا کرنے والے عناصر کو دریافت کیا جائے کہ جن کی وجہ سے یہ دو زائد آمدنیاں جو عام نظروں کو بظاہر مماثل ومشابہہ نظر آتی ہیں اپنی اپنی ماہیت و نوعیت کی بنا پر نیکی و بدی کے سلسلہ میں حرمت و حلت کی دو نہایات پر دکھائی دیتی ہیں۔

اس سلسلہ میں چند بنیادی عناصر کا اظہار ہمیں یقین ہے کہ ان دو ذرائع آمدنی کے فرق و امتیاز کو نظروں کے سامنے نمایاں کر دے گا۔ ان کو مختصراً پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے:

تجارتی ربٰوا قرض دہندہ کی جانب سے ایک جبری بڑھوتری ہے جو معاملت طے کرنے سے قبل از قبل ہی قبضہ و ملکیت کی طاقت و قوت اور دوسری طرف احتیاجات و اغراض کی مجبوری و کمزوری کی بناء پر معاہدۂ ربٰوا میں بظاہر بہ تراضی طرفین طے کر لی اور شامل کر لی جاتی ہے۔

یہ ربائی قرض تجارتی اغراض کے لئے لیا اور دیا جا سکتا ہے اور ایسے قرض کو ربائی کاروبار ہی میں ایک خاص نوعیت دی جا سکتی ہے لیکن یہ نوعیت اس قرض کو دائرۂ ربٰوا سے ہرگز خارج نہیں کر سکتی۔

چوں کہ قرض خواہ کو تجارتی نشیب و فراز سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا اور نفع و نقصان سے یہ بالکل بے نیاز رہتا ہے اور معاہداتی شرحِ سود کی ادائیگی بہر صورت اس قسم کے قرضوں میں ایسی ہی لازمی ہوتی ہے جیسے کسی بھی ربائی کاروبار میں ہوتی ہے اس لئے اس قرض کے اطراف سے تمام نظر فریب تجارتی حالے ہٹا دیئے جائیں تو یہ اپنی اصلی صورت میں وہی ربائی قرض ظاہر ہوتا ہے جو حرام ہے۔

اس کے برعکس سرمایہ کاری خواہ وہ خود تاجر کا ذاتی سرمایہ ہو یا کسی دوسرے شریکِ کار کا تجارتی کاروبار میں مشغول کیا ہوا سرمایہ ہو وہ مہم کے جوکھم اور تجارتی نشیب و فراز کے نفع و نقصان کا پابند ہوتا ہے اور اسی وقت طلب کیا اور ادا کیا جاتا ہے جبکہ کاروبارِ تجارت کے مکمل حسابات ختم ہونے کے بعد حقیقی فاضل آمدنی ہاتھ میں آجاتی ہے۔ یہ حقوق گویا مہم جوئی میں مساوی ذمہ داریوں کا نتیجہ ہیں۔

یہ فاضل آمدنی جس کی تفصیلات اوپر پیش کی گئیں، مختلف قدرتی و معاشی عوامل کا نتیجہ ہوتی ہے جو تاجروں کے حلقۂ اثر سے باہر ہے اور خدا کے فضل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ گویا فاضل آمدنی مل جاتی ہے لی نہیں جاتی، 'فاضل' نہ مصارف پیدائش کا جزو ہوتا ہے اور نہ قیمتِ اشیاء میں شامل ہوتا ہے۔ یہ محض قدرتی اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مل جائے تو فبہا ورنہ صبر و توکل کے سواء کوئی چارہ نہیں۔ اور یوں بھی صبر و توکل ہر مہم کا ایک پہلو ہے اور اچھا پہلو ہے۔

لیکن سود کی حالت فضل کے بالکل برعکس ہے، وہ کاروبار میں ایک امرِ فیصل کی حیثیت سے شامل ہوتا ہے اور کاروبار کا ایک عنصر بن جاتا ہے، چونکہ اس کی ادائیگی بہر صورت ناگزیر ہے اس لئے دیگر مصارف کی طرح یہ بھی مختلف مداتِ خرچ میں ایک مد بنا رہتا ہے۔ دیگر مصارفِ دائرہ اور ربوٰا میں فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں سے بعض کی ادائیگیاں پیشگی اور بعض کی فوری ہوتی ہیں جبکہ ربوٰا میں ایک مقررہ میعاد کے ساتھ مہلت بالمعاوضہ ہوتی ہے۔ اس بناء پر کہ ربوٰا کی ادائیگی مثل دیگر اخراجات کے لازمی ہے، اس کو مصارفِ پیدائش میں شامل کر کے قیمتِ رسد کا جزو بنا دیا جاتا ہے، اس طرح اشیاء کی قیمتوں کے تعین میں رسد کی جانب سے ربوٰا بھی ایک عامل بن جاتا ہے۔ اگر بازاری قیمتیں اتنی کم ہو جائیں کہ ان سے اشیاء کے مصارفِ پیدائش بشمولِ ربوٰا نہ نکل سکیں تو عام زبان میں "پڑتل نہ کھانے" کی وجہ سے پیدا کنندے ان اشیاء کی پیدائش کو روک کر جلد از جلد اس صنعت سے اپنا مشغول سرمایہ نکال لینے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس سے زیادہ سود مند کاروبار میں وہ اس کو مشغول کر کے نفع کما سکیں۔

بہرحال فضل خدا کی طرف سے ہے اور قدرتی حالات کی مساعدت سے وہ فاضل پیداوار کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور اسی ماحصل زائد سے آجر و تاجر اور زمین دار و سرمایہ کار اپنی مساعی مشکور کے مزید صلے اور

انعام و بونس کے خواستگار و طالب ہوتے ہیں، اسی فاضل پیداوار سے حکومت اصولاً مال گزاری اور زکوٰۃ یا دیگر محاصل عاید کر سکتی اور کرتی ہے (ورنہ قبل از قبل ہی غیر مشروط طریقہ پر مال گزاری مشخص کر دی جائے اور اس کی ادائیگی کو بلا امتیاز فائدہ و نقصان کے لازمی کر دیا جائے تو اس کی صورت بھی سود یا ربوا جیسی ہو جاتی ہے اور وہ بھی مصارفِ پیدائش کا جزو بن کر قیمت پیداوار میں شامل ہو جاتی ہے جو اصولاً غلط ہے) لیکن سود تو لازمی ادائیگی ہے اور آجر و تاجر سبھی کی ذمہ داریوں میں داخل ہو جاتا ہے اور جبراً وصول کیا جاتا ہے۔

اگر نفع یا فاضل صفر ہو تو آجر و تاجر اور سرمایہ کار نہ صرف اس حالت پر شکر کر کے خاموش ہو رہتے ہیں۔ بلکہ نقصان و خسارہ ہو تو تب بھی مہم جوئی کی اسپرٹ میں اس صورتِ حال کو بھی برداشت کرنے پر تیار رہتے ہیں لیکن سود خوار کو نفع و نقصان اور کاروبار کی ترقی و بہتری سے کوئی سروکار ہی نہیں رہتا اور وہ ہر صورت میں اپنا سرمایہ قرض اور سود حاصل کر لینے کی فکر میں لگا رہتا ہے، اگر حالات کساد بازاری کے ہوں اور کاروبار ماندہ ہوں یا دیوالیہ کا خوف ہو تو ساہوکار اپنے اغراض کی قبل از قبل حفاظت کی غرض سے اپنے سرمایہ اور سود کا مطالبہ شروع کر دیتا ہے اور عدالتی ڈگریوں کے ذریعہ کاروبار کی پس ماندگیوں کو بحران میں تبدیل کر دیتا ہے۔

صرف سرمایہ کاری ہو یا عملی شراکت ہو تو ان ہر دو صورتوں میں معاہدہ کی اسپرٹ اور اسلامی اخلاق دونوں بھی اس امر کے متقاضی ہوتے ہیں کہ جو لوگ خوش حالی کے ساتھی اور فضل کے حصہ دار ہیں ان کا یہ انسانی فریضہ ہے کہ وہ ناگہانی بحرانوں اور اتفاقی پریشانیوں میں بھی برابر کے شریک رہیں اور عملاً ان مخالف و نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے میں عملاً کوئی نصرت و امداد کی صورتیں نہ نکال سکیں تو کم از کم ایسے نازک وقت میں کوئی ایسا مخالف اقدام نہ کر بیٹھیں کہ جس سے مخالف اسباب قابو ہی سے باہر ہو جائیں اور کساد بازاری کے مخالف عوامل دیوالیہ کا سبب بن جائیں۔

سرمایہ کار اور سود خوار کے کردار میں یہ فرق و امتیاز نتیجہ ہے درحقیقت ان کے کاروبار کی نوعیت و ماہیت کا۔

یوں تو تجارتی کاروبار میں سرمایہ کار کی رقم اور قرض خواہ کی رقم دونوں بھی کاربراری کے لئے بظاہر ایک جیسے نظر آتے ہیں اور خاموش و پُرسکون حالات میں ان میں فرق و امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے اور کامیابی و کامرانی ہم رکاب رہے اور بھاری مقدار میں نفع حاصل ہو تو فاضل آمدنی کی تقسیم کے وقت حصہ دار تو اپنی

سرمایہ کاری کے حصص بلند شرح سے حاصل کرتے ہیں جبکہ قرض خواہ کو صرف مقررہ شرحِ سود کی رقم ہی ملتی اور منافع سے اور کوئی مزید حصہ نہیں دیا جاتا۔ صورتِ حالات ایسی رہے تو سود خوار قرض خواہ کے مقابلہ میں سرمایہ کار حصہ دار کی حالت ہی قابلِ رشک رہتی ہے اور ربٰوا کی مضرتیں اور ساری خباثتیں کاروبار کی سودمندیوں کی خوشیوں میں دب کر رہ جاتی اور نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہیں۔

لیکن ایک طبیبِ حاذق کسی کہنہ مرض کی اس کی خفتہ کیفیت میں تشخیص نہیں کرپاتا تو مختلف ادویہ کے ذریعہ اسکو اُبھار کر اس کی صحیح تشخیص کرلیتا ہے، اسی طرح سود کے بھیانک اثرات ونتائج کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا ہو تو چونکہ جنسِ خبیث سے اس کا تعلق ہے اس لئے زندگی کے تاریک حالات اور سلبی کیفیات اور مخالف ماحول ہی میں اس کی قباحتوں اور خباثتوں کی لعنتوں کا صحیح صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کا بہت ہی مختصر خاکہ ہم نے اوپر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

یقین ہے کہ سرمایہ کاری کو جو درحقیقت تجارتی کاروبار میں حصہ داری کا نام ہے قرضی لین دین سے خلط ملط نہ کیا جائے گا۔ ان دو قسم کے سرمایوں میں فرق کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے تو پھر ان کے نتائج میں فرق و امتیاز کی صورتیں آخری مرحلہ تک باقی رہیں گی اور اپنے میٹھے یا تلخ پھلوں سے اپنی حقیقت ظاہر کرتی رہیں گی۔

قرض ایک جنسی معاملت ہے اور اس کی کئی قسمیں ہوسکتی ہیں، اچھی بھی بُری بھی۔ اس کی تین سادہ قسمیں ہوسکتی ہیں —— قرضِ حسنہ..... سادہ قرض..... سودی قرض...

ایک تو سادہ بلا سودی قرض ہے جو دوستی اور تعلقات کی بنا پر مخصوص حلقہ، احباب یا اعزہ و اقارب کے دائرہ ہی میں باہمی امداد، خیرسگالی اور دیرینہ تعلقات کو مستحکم کرنے کے ذریعہ کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔ یہ ایک انفرادی اور اختیاری طریقہ ہے جو اشخاص کی مرضی اور مصلحتوں پر منحصر رہتا ہے، اس کے نہ کوئی باضابطہ اصول ہیں اور نہ قواعد وضوابط۔ ایک اخلاقی حرکت ہے اور عارضی نوعیت کی حامل ہے۔

لیکن اس کی دو انتہاؤں پر قرض کی دو ایسی نوعیتیں ہیں جو قرض ہونے کے اعتبار سے تو ایک ہیں لیکن کاروباری نوعیت اور غایات ومقاصد کی ماہیت کے اعتبار سے اپنی حقیقت میں بالکل برعکس ہیں اور اپنی کیفیات واثرات میں ایک دوسرے کے بالکل متضاد اور متخالف ہیں، ایک کا سلسلہ سیدھی جانب حسنات کا ہے اور دوسرے کا بائیں یا اُلٹی جانب سیئات کا۔ اوّل الذکر طریقہ معاشی کاروبار کو دائرۂ

حسنات میں اپنے برکات وفیضان سے مستفید کرتا رہتا ہے اور مؤاخرالذکر طریقہ کاروبار کو دائرۂ سیئات میں پھنسا کر بدی کے دائرے قائم کرتا جاتا اور اپنی مضرتوں اور لعنتوں سے پُرفریب طریقے پر سارے معاشرہ کو ورطۂ ہلاکت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

مگر ہیں یہ دونوں بھی مستقل ادارے۔ ایک نظامِ حق کا دوسرا نظامِ باطل کا۔

قرضِ حسنہ اسلامی نظامِ معیشت کا ایک ایسا مخصوص ادارہ ہے جو کسی بھی اور نظام میں ان خصوصیات وصفات کے ساتھ نہیں پایا جاتا جن کا وہ اس نظامِ حق میں حامل ہے۔ اس کی مضبوط جڑیں دین کی پاکیزہ زمین میں پیوست اور اس کے عمرانی نظام میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس کے ثمرات سے نہ صرف اِس زندگی میں افراد اور معاشرہ بہرہ اندوز اور فیضیاب ہوتا ہے بلکہ اس کا فیضان حیاتِ انسانی کے طویل سلسلہ میں معاش سے معاد تک مسلسل جاری رہتا ہے۔ یہ خدمتِ خلق کا ایک ایسا بے لوث معاشی ادارہ ہے جو خدا کے محتاج وضرورت مند بندوں کو خدا کے فضل وکرم سے ہم کنار کرنے کا ذریعہ ہے اور دوسری طرف محتاج ونادار اور غیور افراد کو اپنی عزت وناموس کی حفاظت سے معاشرتی ومعاشی زندگی کے بلند اسلامی اقدار کو برقرار رکھ کر حیاتِ طیبہ سے بہرہ اندوز ہونے کا ایک بہترین وسیلہ ہے۔

قرضِ حسن اور ربٰوا کے اثرات ونتائج کا بنظرِ غائر مطالعہ کیجئے تو جس طرح آفاق میں ان کے برکات حسنات اور اثراتِ سیئات سے معاشری زندگی متاثر ہوتی نظر آتی ہے اسی طرح عالمِ اَنفُس میں انسانی ذہنوں کی تعمیر اور ان کی کردار سازی میں ان کاروباری اداروں کا اثر ایک تاریخی حقیقت اور زندگی کا ایک واقعاتی پہلو بن کر ظاہر ہوتا ہے۔

آج بھی مغربی سرمایہ داری میں قارونیت کے اثرات باقی ہیں اور ہندوستان کے مہاجنوں، اور ساہوکاروں میں شائی لاک کی روح حلول کی ہوئی نظر آتی ہے۔ اگر ہندوستان میں کسانوں اور زرعی وصنعتی مزدوروں اور تمام ہی غریب طبقات کی زندگی عذابُ الدّین میں مبتلا نظر آتی ہے تو مغربی ممالک کے اعلیٰ سے اعلیٰ طبقات واقوام میں بھی ربائی لین دین کا تصور اس طرح ایمانِ راسخ کی طرح محکم معلوم ہوتا ہے کہ موت وزیست کی کشمکش بھی اس ایمان واتقان کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

گزشتہ عالم گیر جنگ کا یہ واقعہ معاشی تاریخ کے اوراق پر ثبت ہو چکا ہے کہ ایک ایسے وقت جبکہ نازیوں کی یلغار سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا اور پولینڈ کی تباہی، ڈنمارک کی تسخیر اور فرانس کے سقوط کے بعد ہٹلر کی بڑھتی ہوئی طاقت یورپ اور امریکہ دونوں کے لئے ایک مشترکہ خطرہ بن چکی تھی اور اس امر پہ دونوں اقوام متفق تھیں کہ ارضِ برطانیہ امریکہ کا محاذِ جنگ بن چکی ہے اور عین اس وقت جبکہ نازی طیارے چیلوں کی طرح لندن پر منڈلا رہے تھے اور فضائی حملوں کی شدت سے سارا شہر کانپ رہا تھا۔ اور اس موت و زیست کی بازی میں انگریز اپنا تن من دھن سبھی لگا بیٹھے تھے لیکن جنگ کے بڑھتے ہوئے مطالبات ان کو قرض کے لئے امریکہ کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور کر رہے تھے، امریکیوں کو قرض کی ایک بھاری رقم منظور کرنے میں تو کوئی تامل نہ ہوا لیکن جب انگلستان کے سربرآوردہ معاشیئین اور مدبرین نے جنگی مقاصد کی ہم آہنگی اور ہلاکت و تباہی کے مشترک خطرات کا واسطہ دے کر ان سے اس بھاری قرضہ کا گراں بار سود معاف کرنے کی درخواست کی تو امریکہ نے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیا کہ یہ مطالبہ اصولِ سوداگری کے منافی اور کاروباری اسپرٹ کے خلاف ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ ایمان و ایقان کا صحیح اندازہ محن و فتن اور ابتلا و آزمائش کی شدید گھڑیوں میں ہی ہو سکتا ہے تو کشمکشِ حیات کی پر آشوب گھڑیوں میں بھی ربوٰا جیسے مقدس ادارہ کی روایات کو برقرار رکھنے میں اپنے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دینا ایمانِ محکم کی علامت نہیں تو پھر کیا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ وَاُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الرِّبوٰا۔ اور جس طرح نظامِ سرمایہ داری کی رگ و پے میں سود رواں دواں ہے اسی طرح اس نظام کو ماننے والے افراد و اقوام کے دل و دماغ میں بھی ربوٰا رچ بس گیا ہے، اس نے جس معاشرہ کی مزاج سازی کی ہے اور افراد کے جو ذہن تعمیر کئے ہیں ان کے تصور ہی سے یہ چیز خارج ہے کہ کوئی رقمی لین دین ایسا بھی ہو سکتا ہے یا کوئی کاروبار ایسے بھی انجام پا سکتا ہے کہ جس میں ربوٰا نہ ہو! کمرشیل انٹرسٹ ہو، انڈسٹریل انٹرسٹ ہو، یہ کاروباری سود نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسری طرف ان اذہان کا مطالعہ کیجئے جن کی تعمیر قرضۂ حسنہ نے کی تھی۔ تحریم ربوٰا کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر جب رسالتمآب صلعم کی طرف سے سیدنا عباس رضؓ کی خطیر ربائی رقومات کے سود کی کثیر دولت پر

اجتماعی احکامات کا نفاذ عمل میں آیا تو سیرتِ پاک کے اس اعلیٰ نمونہ سے مومنین کے اذہان میں ایسا انقلاب آیا کہ مال و دولت سے متعلق ان کے تصورات کا رخ ہی ہمیشہ کے لئے سیئات کی راہوں سے حسنات کے راستوں کی جانب مڑ گیا۔ صحابہ کرام اور اس اُمت کے صالحین و مومنین نے اس سلسلہ میں اپنے ملکوتی خصائل کی ایسی بہترین شہادتیں صفحۂ تاریخ پر ثبت کر دی ہیں کہ جن کو زمانہ مٹا ہی نہیں سکتا۔ جب مال و دولت کی محبت سے مومنین کے قلوب خالی ہو گئے تو خدا کی محبت نے اپنے انوار سے اس خلاء کو پُر کرنا شروع کر دیا اس سلسلہ میں سیدنا ابوبکر رضی کی صدیقیت، حضرتِ جنید بغدادی کی ڈاکو کے قلب کو منقلب کرنے کی مشہور کرامت اور سیدنا عبدالقادر گیلانی رح کی اس آزمائشِ دولت میں استقامت و استغنائے قلبی کی صفت اسلامی کردار کے اعلیٰ نمونے پیش کرتی ہیں۔

حضرتِ شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا ایک مشہور واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ جب آپ وعظ و تذکیر میں مصروف تھے تو دورانِ تقریر ہی میں کسی نے آپ کو یہ خبر دی کہ جس جہاز میں آپ کا مالِ تجارت آ رہا تھا وہ غرقِ آب ہو گیا تو آپ نے یہ خبر سُن کر کچھ توقف کے بعد الحمد للہ کہا اور وعظ میں مصروف ہو گئے کچھ دیر کے بعد اسی محفلِ وعظ میں آپ کو یہ خوش خبری سنائی گئی کہ وہ پہلی خبر غلط نکلی اور صحیح اطلاع یہ ہے کہ وہ جہاز گودی سے آ لگا اور آپ کا مال و اسباب محفوظ پہنچ گیا، یہ اطلاع سُن کر ذرا سے تامل کے بعد آپ نے پھر الحمد للہ کہا اور وعظ جاری رکھا۔ جب ختمِ وعظ پر آپ سے ان دو مختلف النوع اطلاعوں کے پہنچنے اور ہر دو اطلاعوں پر کلمۂ تحمید ادا کرنے کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے ان ہر دو اطلاعوں پر اپنی قلبی کیفیت کا جائزہ لیا تو محسوس ہوا کہ مال کی غرقابی سے نہ دل میں رنج و تکدر کی کیفیت پیدا ہوئی اور نہ مال کے بچ آنے کی خوش خبری سے دل دھڑک اٹھا۔

ایسے پاکیزہ ذہنوں کی تعمیر ایسے ہی معاشی ماحول میں ہو سکتی ہے جس میں ایک طرف تو ربوا سے ربیہ تک ہر قسم کے ادارۂ سیئات کے دروازے مضبوطی سے بند کر دیئے جاتے ہیں اور دوسری طرف انفاق فی سبیل اللہ کے تمام ادارۂ حسنات کے دروازے ہر طرف کھول دیئے جاتے ہیں۔

جس معاشی بازار میں فاضل پیداوار، "فضول دولت" اور فالتو مال کی ساری ہی رسد گردش میں رہے گی۔

وہاں زرِقرض کی شرح معاوضہ (سود) کا رجحان خود بخود صفر ہی کی طرف رہے گا بلکہ کوئی تعجب نہیں کہ رسد کا اضافہ منفی شرح کی طرف چلا جائے کہ طلب کرنے والے ہی نہیں ملیں - حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ لوگ زکوٰۃ کی رقم لے کر نکلتے تھے اور کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔

ربوٰا کے مسائل کا اسلامی نظامِ معیشت کے ان ایجابی پہلوؤں کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو ان مقدمات وحدود میں اس کے سلبی پہلوؤں کی قباحتیں اور کراہتیں اس نظام میں اس کی تحریم وامتناع کا مطالبہ کرنے لگتی ہیں کہ جس کے بعد نہ بنک ریٹ باقی رہ سکتا اور نہ کمرشیل انٹرسٹ، بلکہ ان کی جگہ قرضِ حسنہ کے ادارے اور شراکت ومشترکہ سرمایہ کاری کے ادارے ہر طرف مقبول ہو کر رواج پذیر ہوتے جاتے ہیں۔ جن کی بدولت ایک راست باز معیشت میں سرمایہ کار حصہ داروں کو شرحِ سود سے کہیں زیادہ منافع کے حصص، دولت کمانے کے مواقع دستیاب ہوتے رہتے ہیں - ایسی فاضل آمدنیاں جو جائز ذرائع معیشت کی بدولت حاصل ہوں ان کو خدا کے فضل کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے اور بے خوف وخطر ان کو تصرف میں لایا جاسکتا ہے۔

مکمل ومدلل فتاویٰ دارالعلوم

از مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی قدس سرہٗ

مرتبہ: مولانا محمد ظفیر الدین صاحب - رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

یہ فتاویٰ متعدد جلدوں میں تبویب کے ساتھ شائع کیے جا رہے ہیں جو حضرت مفتی اعظم صاحبؒ نے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۶ھ کے دوران تحریر فرمائے تھے، ہر مسئلہ پر مستند حوالہ جات مع تشریحی نوٹ اور دورِ حاضرہ کی بدلی ہوئی نوعیت کی نشاندہی کرتے ہوئے درج کیا گیا ہے، دارالعلوم کے یہ فتاویٰ علماء، پنچایتوں اور عدالتوں میں اہم اور فیصلہ کن شمار کیے گئے ہیں۔ فقہی ابواب کی ترتیب سے اب تک فتاویٰ کی ۵ جلدیں شائع ہو چکی ہیں:

جلد اوّل کتاب الطہارت کے ۵۶۳ مسائل پر مشتمل ہے۔ بڑی تقطیع ۳۴۸ صفحات۔ قیمت ۵/۵۰

جلد دوم نماز کی افضلیت، اذان، اقامت اور نماز کی شروط پر مشتمل بڑی تقطیع ۳۰۶ صفحات - ۴/۵۰

جلد سوم کتاب الصلوٰۃ کے باب الامامۃ کے ۸۸۷ مسائل پر مشتمل۔ صفحات ۴۰۴ - قیمت - ۶/۵۰

جلد چہارم مفسدات اور مکروہاتِ نماز - صلوٰۃ وتر - قنوتِ نازلہ - سنن ونوافل - تراویح وتہجد - صلوٰۃ التسبیح - جماعت میں شرکت اور قضاء وغیرہ کے ۱۰۱۴ مسائل پر مشتمل - صفحات ۴۹۶ - قیمت ۸/-

جلد پنجم نمازِ جمعہ - عیدین - ایامِ تشریق - میت - کفن دفن اور نمازِ جنازہ - ایصالِ ثواب - بدعات - زیارتِ قبور - شہادت وغیرہ مسائل کا مفصل بیان - صفحات ۴۸۰ - قیمت ۸/-

نوٹ:- باقی جلدیں زیرِ ترتیب وکتابت ہیں!

ملنے کا پتہ:- مکتبہ برہان —— اردو بازار —— جامع مسجد دہلی ۶